

ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

پاکستان

نظام شریعت کانفرنس ؟

حکومت کے انتقام کی نذر ہو گئی

ایک آواز، ایک اعلان :-

احتجاج و احتجاج و احتجاج

کرتا ہے قلم ہاتھوں کو رُودادِ جنوں کہہ کر
تو اس دورِ ستم پرور میں میرا ہمزباں ہو جا

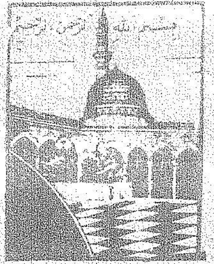
(مکمل مضمون صفحہ ۶ پر)

۲۰ مارچ ۷۵ء

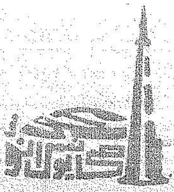
۶۰ پیسے

مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور، پاکستان

فون ۶۷۵۴۵



احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم



خدا کے یہاں مقبولیت کی پہچان ایمان ہے سرمایہ و دولت نہیں!

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَمَنْ لَّا يُحِبُّ وَلَا يُعْطِي الْاِيْمَانَ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ ۔

(رواہ الحاکم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح تم میں روزی تقسیم کر دی اسی طرح تمہارے اخلاق کو بھی تقسیم کر دی ہے (جیسے رزق تنگ فراخ رکھا ہے ایسے ہی اخلاق بھی کسی کے تنگ اور کسی کے وسیع رکھے ہیں) وہ تو دنیا تو (سب ہی کو دیتا ہے) اس کو بھی جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس سے محبت نہیں کرتا لیکن دولت ایمان صرف اسی کو دیتا ہے جس کو محبوب رکھتا ہے۔

تشریح انسان کی تمام کمال و شرافت اس کی قوت نظریہ و عملیہ کے کمال پر موقوف ہے۔ ان ہی کے سنور جانے کا دوسرا نام ایمان اور عمل صالح ہے۔ کفر و ایمان کی تقسیم ان ہی کے بگڑنے اور سنورنے پر دائر ہے۔ جس کی یہ دونوں قوتیں سنور گئیں وہ سنور گیا اور جس کی بگڑ گئیں وہ بگڑ گیا۔ اسی لیے سورۂ والتین اور سورۂ والعصر میں انسانی شرافت کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے ابدی اور اسفل السافلین خسارہ سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ ایمان اور عمل صالح ہے۔

حریت انسان کی سب سے بڑی شرافت ہے اور غلامی اس کے لیے بدترین داغ۔ لیکن اگر حریت کے ساتھ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اور غلامی کے ساتھ ایمان میسر آ جائے تو حریت کی شرافت شرافت نہیں رہتی اور غلامی کا عیب عیب نہیں رہتا۔

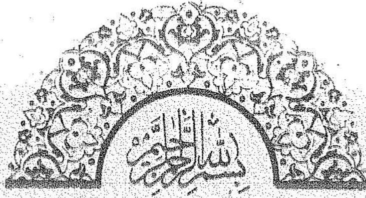
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ایک مومن غلام ایک آزاد مشرک سے بدرجہا افضل ہے۔ پس اسلام میں خدا کے دوست و دشمن کی تقسیم کا مدار سرمایہ و دولت پر نہیں بلکہ ایمان و کفر پر ہے۔ دنیا کی دولت دوست و دشمن سب میں مشترک رکھی گئی ہے لیکن ایمان کی دولت صرف دوستوں کے حصہ میں لگا دی گئی ہے — قال السعدی شیرازی رحمہ اللہ ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

ترجمہ: یہ زمین (یعنی دولت) اللہ تعالیٰ کا ایک عمومی دسترخوان ہے جس پر دوست دشمن سب بیٹھے کھا رہے ہیں مگر ایمان کی نعمت خاص دوستوں کے لیے ہے ؎

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند
سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار
ایں دولت سرمد بہ ہمہ کس را ندہند

قائدِ اسلامی انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ العالی

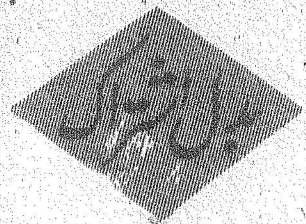


بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۵ھ
۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء

جلد ۔۔۔
شمارہ ۴۳



سالانہ ۲۶/۰ روپے
ششماہی ۱۴/۰ روپے
سہ ماہی ۷ روپے
فی شمارہ ۶۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

نظام شریعت کانفرنس کا التوا

پاکستانی حکمرانو! اس اندھے پن سے باز آجاؤ

جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی، صوبائی اور ضلعی عہدے داروں نے اپنے ایک بھرپور اجلاس میں اجلاس میں تین ماہ قبل لاہور میں فیصلہ کیا تھا کہ مارچ کی ۲۱، ۲۲ اور ۲۳ تاریخوں میں اسی شہر میں ایک عظیم الشان نظام شریعت کانفرنس منعقد کی جائیگی جس میں ملک بھر سے کارکنانِ جمعیۃ اور دیندار مسلمان شریک ہوں گے تاکہ اس کے ذریعے اسلامی قوت و سطوت کا بھرپور مظاہرہ کیا جاسکے اور اس ملک میں بیرونی ازموں یا ذاتی تعبیرات پر مشتمل نام نہاد اسلامی نظام کے علمبردار افراد اور جماعتوں پر واضح کیا جاسکے کہ اس ملک میں صرف اور صرف دینِ محمدیؐ اپنی ان تعبیرات کے ساتھ نافذ و جاری کیا جائے گا جو نسلاً بعد نسل تواتر کے ساتھ منتقل ہے۔

چنانچہ اس کانفرنس کے لیے ایک مجلس استقبالیہ ترتیب دی گئی جس کے سربراہ حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ کے قابلِ فخر فرزند اور جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے امیر مولانا عبید اللہ انور تھے۔ موصوف نے اپنے ساتھیوں سمیت ایک طرف تو انتظامیہ کے پاس درخواست بھیج دی تاکہ کھلے باغ میں جلسہ کی اجازت مل سکے تو دوسری طرف بھرپور طریق سے کانفرنس کی تیاریاں شروع کر دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک محتاط اندازہ کے مطابق پچاس ہزار کارکنوں کا لاہور میں آنا یقینی تھا۔ لوگ تھے کہ گھڑیاں گن گن کر ان تاریخوں کی

انتظار میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اور تیاریاں پورے جوبن پر تھیں۔

دوسری طرف بار بار کی یاد دہانیوں کے باوجود لاہور کی انتظامیہ نے کوئی مثبت جواب نہ دیا اور ٹال مٹول سے کام لیتی رہی حتیٰ کہ تین چار دن پہلے ٹکا سا جواب دے دیا کہ کانفرنس منعقد نہیں ہو سکتی — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ ہے اس ملک کا حال جس کی خاطر ان گنت نوجوانان اسلام نے اپنے خون کا مقدس نذرانہ پیش کیا اور ہزاروں بہو بیٹیوں نے اپنی عصمت و عفت قربان کر دی۔

خاک و خون کے ایک وسیع سمندر کو عبور کرنے کے بعد پاکستان میں آنے اور بسنے والے اپنے ساتھ کوئی امید نہیں لائے تھے۔ ان کے قلب و جگر میں کوئی آرزو اور امنگ تھی تو محض یہ کہ ملک اسلامی عظمت کا گہوارہ بنے گا یہاں اسلامی حدود کا نفاذ ہوگا اسلامی نظام حیات کی برکات سے خلق خدا فائدہ اٹھائے گی اور یوں ایک بار پھر خیر و صلاح کے دور کی یاد تازہ ہو جائے گی لیکن ۲۸ برس میں اس ملک کے سیاہ و سفید پر قابض ہونے والے عناصر نے بلا تفریق جس طرح مذہب کو اپنی اغراض کے لیے استعمال کیا اور عملاً منافقت و بد عہدی کی ایک طویل داستان مرتب کی اس سے ہر کوئی واقف ہے۔

بالخصوص موجودہ نام نہاد عوامی حکومت جو اپنے کو "عوام کی پیداوار" قرار دیتی ہے اور جس نے اپنے پارٹی منشور میں "اسلام ہمارا دین" کا منافقانہ جھومر اب تک بھی لٹکا رکھا ہے۔ جتنی عوام کی دشمن اور ان سے خوف زدہ ہے اس سے کہیں زیادہ اسلام کے معاملہ میں سنگدلی کا شکار ہے۔

آج اس ملک میں اسلامی اخلاق و اقدار کی کوئی چیز باقی نہیں۔ اسلامی سیرت و کردار کی جھلکیاں عنقا ہیں اور اسلام اور اہل اسلام مظلومیت و کس مپرسی کے عالم میں پڑے کراہ رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نظام شریعت کانفرنس سے ارباب حکومت اتنے الرجک کیوں تھے کہ انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کہ اگر اس ملک میں اسلام آ گیا تو ان کی نا و نوش کی محفلیں الٹ کر رہ جائیں گی عوام کا استحصال نہیں ہو سکے گا، شراب و کباب چھوڑنا پڑے گا اور ظلم و بد عہدی ممکن نہیں رہے گی؟

اگر ان کی سوچ اور فکر یہ ہے اور انہوں نے اسی وجہ سے اس کانفرنس کو بند کیا ہے تو انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے دن لد گئے؟ ان کا ظالمانہ دور ختم ہوا چاہتا ہے اور وہ اب زیادہ دیر اس ملک میں عیاشی نہیں کر سکیں گے — میں ملک بھر کے اربابِ دین و دانش سے یہ عرض کروں گا کہ وہ اس ظالمانہ کارروائی سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ پوری بے خوفی، جرأت اور ہمت کے ساتھ میدان میں آ جائیں۔ گلی گلی کوچہ کوچہ اور گھر گھر جا کر ایک ایک فرد کو حقائق سے آگاہ کریں۔ اور اتنی بھرپور قوت مہیا کریں کہ ظلم کی دیوار ڈھانا آسان ہو جائے۔

مجھے یقین ہے کہ اربابِ اقتدار نے دین اور اہل دین سے جو ظالمانہ مذاق کیا ہے اس کی سزا سے وہ بچ نہیں سکیں گے۔ قدرت کی بے آواز لاٹھی انہیں یقیناً ان کے کیے کا مزہ چکھائے گی۔

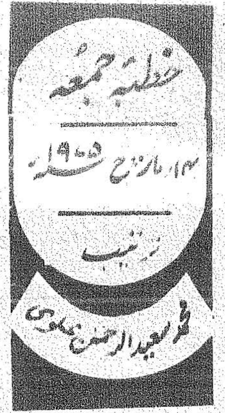
میں اربابِ دین کو ایک بار پھر عمل اور مسلسل عمل کی طرف توجہ دلاؤں گا کیونکہ عمل ہی کامیابیوں کا زینہ ہے۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو!

نامناسب اور افسوسناک

جمعیت علماء اسلام (مفتی محمود گروپ) نے اڑھائی تین ماہ پہلے لاہور میں ایک "نظام شریعت کانفرنس" منعقد کرنے کا اعلان کیا تھا۔ جس میں ملک بھر کے علمائے کرام اور مشائخ نے یہ جائزہ لینا تھا کہ

(باقی صـ۱۲ پر)



اسلام "انقیاد و تسلیم" اور مسلمانی "حکم برداری" کا دوسرا نام ہے

جانشین شیخ التفسیر رحمہ حضرت مولانا عبید اللہ انور زید مجدہم امیر انجمن خدام الدین ، لاہور

خطبہ مسنونہ کے بعد

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

محترم حضرات ۔ یہ آیت کریمہ اکثر حضرات کے علم میں ہوگی اور آپ نے بارہا مرتبہ مختلف علماء سے اس کی تشریحات سنی ہوں گی صحبت امروزہ میں ، میں بھی اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ آیت کریمہ کا ترجمہ تو صرف اتنا ہی ہے کہ بے شک دین اللہ کے ہاں فرمانبرداری ہی ہے ۔" اور اس کے متعلق تفسیر عثمانی میں ہے ۔

اسلام کے اصلی معنی سونپ دینے کے ہیں ، مذہب اسلام کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کر دیتے اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا "اسلام" انقیاد و تسلیم کا اور مسلمانی "حکم برداری کا دوسرا نام ہوا ۔

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے لفظ اسلام کی جو جامع تعریف فرمائی ہے — وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے حرف آخر ہے اور اس پہ کسی مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے امتیاز و اعزاز کے طور پر حضور علیہ السلام کے لائے ہوئے دین کو اسلام کہا جاتا ہے ۔ ویسے تمام انبیاء علیہ السلام کے ادیان کی حقیقت یہی کچھ تھی کہ وہ دنیا کو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کا سبق پڑھانے آئے تھے ۔

دنیا کا پہلا انسان پہلا مسلم تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی وجہ سے اپنے کو اول المسلمین کہا کہ وہ بھی اسی حقیقت کے داعی تھے جس کے حضور نبی کریم علیہ السلام ۔

اس صورت حال کی طرف بھی حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے یوں توجہ دلائی کہ

یوں تو شروع سے آخر تک تمام پیغمبر ، جزو مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر اطاعت و فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو جو اکمل ، جامع ترین ، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں وہ تمام شرائع سابقہ مقدسہ پر سب سے زائد مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم و ملقب ہوگئیں"

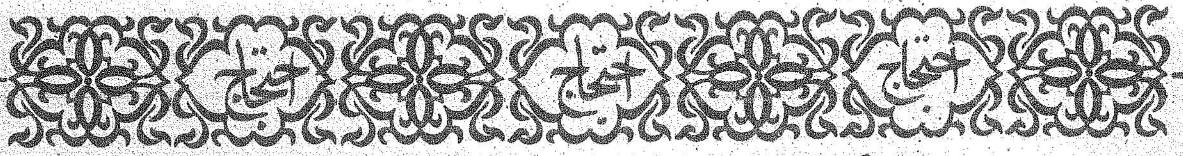
گویا دین محمدی کو جو بالخصوص اسلام کہا گیا تو اس میں جہاں علاوہ اکمال دین و اتمام نعمت کی طرف اشارہ ہے الیوم اکملت لکم دینکم وہاں حضور علیہ السلام کی ختم نبوت و رسالت کی طرف بھی بلیغ اشارہ ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ خدا کی آخری ہدایت آچکی ہے اب نجات و ہدایت کے لئے صرف چشمہ صافی سے فیض حاصل کرنا ہوگا اس کے بغیر کسی اور جگہ سے کچھ نہ ملے گا ۔ اسی سورۃ آل عمران میں آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ اس اسلام محمدی کے سوا کسی اور دھرم و مذہب اور کسی اور ضابطہ حیات کی تلاش میں تم نے کوشش کی اور نکل کھڑے ہوئے تو تمہارے پلے کچھ نہ پڑے گا میری بارگاہ میں تم مقبول کے بجائے مردود شمار کئے جاؤ گے اور بالآخر تمہیں نقصان و خسران سے دوچار ہونا پڑے گا ۔

جب نبی کریم علیہ السلام نے ۲۳ سالہ نبوی زندگی میں اسی اسلام کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور اسی کے جزئیات کو حسب ہدایت خداوندی قرآن کے تیس پاروں میں منضبط کر دیا ۔

میرا یہ دعویٰ ہے کہ انسان کی اجتماعی اور انفرادی ضروریات میں

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

نظام شریعت کانفرنس ؟



حضرت مولانا عبیداللہ انور صدر مجلس استقبالیہ نظام شریعت کانفرنس — کا — بیان

گزشتہ سال ۳۰ نومبر کو جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی صوبائی و ضلعی عہدہ داروں کے ایک مشترکہ اجلاس کے بعد اعلان کیا گیا تھا کہ جمعیۃ علماء اسلام ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جد و جہد کو آگے بڑھانے اور کارکنوں کی مساعی کو منظم کرنے کے لیے ۲۱، ۲۲، ۲۳ مارچ ۸۵ء کو لاہور میں کل پاکستان نظام شریعت کانفرنس منعقد کرے گی۔

اس اعلان کے ساتھ ہی ملک کے گوشہ گوشہ میں جمعیۃ کے کارکنوں، علماء کرام، طلبہ، مزدوروں، کسانوں، تاجروں اور دیگر طبقات کے دیندار مسلمانوں نے روایتی جوش و خروش کے ساتھ کانفرنس میں شرکت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ابتدائی محتاط اندازے کے مطابق ملک بھر سے کم و بیش ۵۰ ہزار مندوبین کی تشریف آوری متوقع تھی۔ اس سے قبل بھی جمعیۃ علماء اسلام ۷۰ء اور ۷۵ء میں دو کانفرنسیں منعقد کر چکی ہے جو ملکی سیاسیات پر اثر انداز ہوئیں اور ان کے ذریعہ جمعیۃ نے ملکی سیاسیات میں اسلامی تقاضوں کو اجاگر کیا۔

جمعیۃ کی سابقہ کانفرنسوں کی شاندار روایات اور ملک کے گوشہ گوشہ سے اہل حق کی تیاریوں کی اطلاعات کے پیش نظر مجلس استقبالیہ نے ۱۵ فروری کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سے تحریری درخواست کہ نظام شریعت کانفرنس کے انعقاد اور بیرونی مہمانوں کے قیام و طعام کے انتظامات شیرانوالہ گیٹ تا موچی گیٹ کے بیرونی باغوں میں کرنے کی اجازت دی جائے۔ مگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے کانفرنس کی اہمیت و وسعت کے باوجود ہمیں بروقت اطلاع نہ دی۔

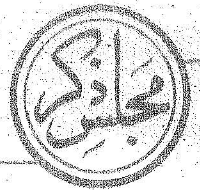
اس کے بعد ۷ مارچ کو دوبارہ تحریری یاددہانی کرائی گئی جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ علاوہ ازیں مجلس استقبالیہ کی طرف سے جمعیۃ کے قانونی مشیر قاضی محمد سلیم ایڈووکیٹ اور لاہور شہر کے امیر جناب عبدالحمید بٹ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، ڈی آئی جی اور ایس پی سے ملاقاتیں کرکے ان سے استدعا کی کہ کانفرنس کے وسیع پروگرام کے پیش نظر ہمیں بروقت اطلاع دی جائے تاکہ ہم اطمینان سے انتظامات کر سکیں مگر اس کے باوجود ضلعی انتظامیہ کے رویہ میں کچھ فرق نہ پڑا۔



کانفرنس میں ابتدائی محتاط اندازے کے مطابق ملک بھر سے کم و بیش ۵۰ ہزار مندوبین کی تشریف آوری متوقع تھی۔ لیکن ہم ابھی تک ضلعی انتظامیہ کی گو مگو اور ٹال مٹول کی پالیسی کا شکار ہیں اور ہمارے لیے کانفرنس کو ملتوی کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا۔

پھر مجلس استقبالیہ نے اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے کانفرنس کے پروگرام کو محدود کر لیا اور ایک کھلی نشست موچی دروازہ میں رکھنے کے علاوہ باقی تمام پروگرام جامع مسجد شیرانوالہ میں طے کرکے پریس میں اعلان کر دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ شاید اس طرح انتظامیہ کی تشنجی کیفیت میں کچھ فرق پڑ جائے گا اور کم از کم ایک کھلی نشست کے لیے

(باقی ص ۸ پر)



۱۴ مارچ ۱۹۷۵ء

ترتیب

محمد سعید الرحمٰن لدھیانوی

غلبۂ شوکت کا اصل سبب

دولتِ ایمان و یقین ہے

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہم امیر انجمن خدام الدین لاہور

خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:۔

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

حضراتِ گرامی! اس مجلس خیر و برکت میں حاضری اللہ تعالیٰ کی عنایت و توفیق کی مرہونِ منت ہے کیونکہ ان کا کرم اور توفیق شاملِ حال نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ؎

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ دنیا میں غالب و سربلند رہیں گے لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ارب کے قریب دنیا میں مسلمان موجود ہیں لیکن غلبہ کے بجائے مغلوبیت، عزت کے بجائے ذلت ان کا مقدر بن چکی ہے۔ آخر کیوں؟

خدا کی بات جھوٹی نہیں ہو سکتی ایسا سوچنا ہی غلط اور کفر ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا۔

ان ارشادات کی روشنی میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ خدائی وعدہ سچا ہے۔ لہٰذا سوچنا چاہیے کہ اس وعدۂ خدائی کے ہوتے ہوئے بھی ہم باعزت کیوں نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ دولت ایمانی، وہ خلوص اور وہ عزم و ایقان جو مومن کا طرۂ امتیاز تھا آج ہم لوگ اس سے محروم ہیں جس کی وجہ سے یہ زبوں حالی اور پریشانی و نامرادی ہمارا مقدر بن چکی ہے اگر دولتِ ایمان و یقین اپنی اصل شکل و صورت میں موجود ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ عزت و غلبہ ہمیں حاصل نہ ہو۔

یہ آیت کریمہ جو تلاوت کی غزوہ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

"جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اشقیا نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی لا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين۔ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سر پہ پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔

ان تفصیلات سے اندازہ لگائیں کہ مسلمان کس حال میں تھے لیکن انہوں نے جواباً پھر کیا کارنامہ سرانجام دیا۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ صحابہ

علیہم الرضوان میں سے چند بزرگ اجتہادی طور پہ ایک لغزش کا شکار ہوئے لیکن جونہی محسوس ہوا اور توبہ و انابت الی اللہ سے کام لے کر اپنے عزم و یقین کے ساتھ دنیائے کفر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے چھکے چھڑائے اور کفار جیتی ہوئی بازی ہارنے پر مجبور ہو گئے۔

وہاں محض ایک لغزش وہ بھی اجتہادی تھی تو اتنا بڑا امتحان سامنے آیا اور یہاں صبح و شام گناہ ہیں اور وہ بھی دانستہ اور پھر ان پر اصرار۔ ایسے میں خدا کی مدد و نصرت کیونکر حاصل ہو گی؟

اصل بات یہ ہے!

کہ ایمان کی کھیتی مرجھا کر رہ گئی ہے
نیکی و بدی کا تصور ختم ہو چکا ہے
اور
خدا کی پسند و ناپسند کی طرف
دھیان نہیں رہا۔
یہی وجہ ہے کہ اس
نافرمانی کی سزا
ہم لوگ بھگت رہے
ہیں

آج ضرورت ہے کہ پیغمبر عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے احکامات و فرائض پہ سختی سے عمل کیا جائے اپنا محاسبہ کیا جائے اور ایمان و یقین کی لازوال دولت جو کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہے اس کی صحیح معنوں میں حفاظت کر کے سچے اور مخلص مسلمان بن جائیں تو خدا کے سرمدی اصول اب بھی اسی طرح تر و تازہ ہیں اور یقین ہے کہ اسی طرح فائدہ ہو گا جیسے پہلوں کو فائدہ ہوا۔ کیونکہ اس کے بغیر اصلاح و فلاح کا کوئی ذریعہ نہیں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں صحیح مسلمان بنائے اور غلبہ و شوکت عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ: احتجاج

ہی اجازت مل جائے گی لیکن ہم ابھی تک ضلعی انتظامیہ کی گومگو اور ٹال مٹول کی پالیسی کا شکار ہیں اور ہمارے لیے ضلعی انتظامیہ کے اس قابل مذمت رویّہ کے باعث کانفرنس کے پروگرام کو مزید محدود کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں رہا۔ اور اب نئے پروگرام کے مطابق یہ کانفرنس "نظام شریعت کنونشن" کے نام سے جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ لاہور میں ہو گی جس کا پروگرام درج ذیل ہے۔

۲۱ر مارچ کو خطبہ جمعۃ المبارک حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہٗ جامع مسجد شیرانوالہ میں ارشاد فرمائیں گے۔ اور اسی روز بعد نماز عشاء جمعیۃ طلبہ اسلام کے قائدین سے خطاب کریں گے۔

۲۲ر مارچ ہفتہ کو صبح ۱۱ بجے مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو گا اور رات کو جماعتی کارکنوں کا خصوصی تربیتی پروگرام ہو گا۔

۲۳ر مارچ اتوار صبح ۹ بجے مرکزی جنرل کونسل اور ضلعی عہدہ داروں کا مشترکہ اجلاس ہو گا جس میں ملک کی سیاسی صورت حال کے بارے میں اہم فیصلے کیے جائیں گے اور بعد نماز ظہر حضرت درخواستی مدظلہٗ اور قائد جمعیۃ مولانا مفتی محمود جامع مسجد شیرانوالہ میں خطاب عام فرمائیں گے۔

صحبتِ با اولیاء

مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ

[illegible]

راوی : حافظ محمد اسحاق صدیقی ، مکہ مکرمہ —— تحریر : ڈاکٹر محمد الیاس مسعود ، لاہور

دس سال ہوتے مولانا حبیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ میں حافظ محمد اسحاق صدیقی سے ملنے کے لیے ان کی دُکان کی طرف جا رہا تھا۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک کے متصل بائیں ہاتھ ایک چائے کی دُکان پر نظر پڑی دیکھا کہ حافظ صاحب مع چند احباب کے چائے نوش فرما رہے ہیں۔ میں وہیں رُک گیا۔ حافظ صاحب نے بیٹھ جانے کو کہا اور حاضرین سے میرا تعارف کرایا۔

میں نے دیکھا کہ میرے بائیں جانب جو بزرگ تشریف فرما ہیں انہیں میں روزانہ حرم شریف میں طواف کرتے دیکھتا ہوں، ان کا مخصوص وضع کا لباس ہوتا ہے یعنی سر پر سفید کپڑے کی گول ٹوپی ، لمبا کرتہ پہنے، تہ بند باندھے اور کندھے پر رومال ڈالے، لمبی تسبیح ہاتھ میں لیے طواف میں سرگرم رہتے ہیں۔ پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ حضرت کون بزرگ ہیں۔ البتہ دل میں تمنا ضرور تھی کہ کسی طرح گفتگو کا موقع مل جائے۔ ایک دن میرے رفیق نے مجھے بتایا کہ یہ بزرگ جو رکن یمانی کے سامنے مطاف میں کھڑے تسبیح پر کچھ پڑھ رہے ہیں مولانا حبیب اللہ صاحب ہیں اور حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری کے صاحبزادے ہیں۔ اب تو ان سے ملاقات اور گفتگو کی سعادت حاصل کرنے کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا مگر ان تک رسائی کے لیے کوئی وسیلہ نہ مل سکا صرف اتنا ہی پتہ چل سکا کہ حرم کی عمارت میں کہیں ان کا حجرہ ہے اور عرصہ سے قیام اسی جگہ ہے۔

میں ادب سے کرسی پر بیٹھ گیا۔ مولانا اس وقت اپنے ہاتھ سے فنجان میں چائے ڈال رہے تھے مولانا نے ایک فنجان میرے لیے بھی تیار فرمایا اور مجھے پینے کے لیے کہا۔ میں وہ فنجان پی گیا۔ مولانا نے اسی میں مزید چائے ڈال دی۔ اور فرمایا۔ پیئیں۔ میں نے پی لیا۔ ابھی میں دوسرا فنجان ختم ہی کر پایا تھا کہ مولانا نے تیسری بار اس کو بھر دیا۔ اور پھر فرمایا۔ پی جائیے۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ مولانا نے چوتھی دفعہ فنجان کو پھر چائے سے بھر دیا اور فرمایا پی لیجئے — اب ایک تو پاسِ ادب، دوسرے مولانا کے حرم شریف سے تعلق کی وجہ سے عقیدت، تیسرے حضرت مولانا احمد علیؒ کی نسبت سے خاص احترام میں میں نے چوتھا فنجان بمشکل پی ہی لیا۔ گفتگو کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ حافظ اسحٰق صدیقی صاحب سے مولانا کی بے تکلفی ہے۔

ایک لطیفہ بھی ارشاد فرمایا۔ جس سے لطف اندوز ہونے کا شرف مجھے بھی حاصل ہوا۔ افسوس حضرت مولانا حبیب اللہؒ سے یہ سب سے پہلی ملاقات میرے لیے آخری ملاقات ثابت ہوئی اور اس کے بعد ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب نہیں ہوسکی لیکن وہ تمنا جو حرم شریف میں انہیں دیکھ کر دل میں پیدا ہوئی تھی وہ اللہ کریم نے پوری فرما دی۔

گزشتہ سال مکہ مکرمہ میں حافظ اسحٰق صدیقی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولانا حبیب اللہ کا ذکر شروع ہوا۔ تو ہوتا ہی چلا گیا۔ دورانِ گفتگو میں نے مختصر سے نوٹس

مکان حافظ محمد صالح دہلوی مکہ مکرمہ



مولانا حبیب اللہؒ کی آخری رہائش گاہ محلہ مدعی عبداللہ فیصل۔

لے لیے۔ حافظ صاحب مجھے مولانا کی آخری قیام گاہ پر بھی لے گئے۔ اور مولانا کے رہن سہن کے علاوہ اس ماحول سے روشناس ہونے کی سعادت نصیب ہوئی جس میں وہ تمام عظمتوں کے ساتھ شب و روز بسر کرتے تھے۔

حافظ اسحٰق صدیقی صاحب کی روایت کے مطابق مولانا دس بارہ سال مسجد نبویؐ مدینہ منورہ میں درسِ قرآن مجید دینے کے بعد جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو پہلے حرم شریف کی عمارت میں قیام فرمایا۔ دوست احباب اور دوسرے معتقدین اور ملاقات کرنے والوں کے ہجوم سے ان کے معمولات میں خلل آنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو وہاں سے محلہ مدعی۔ عبداللہ فیصل حافظ محمد صالح دہلوی کے مکان کی چوتھی منزل پر رہائش اختیار کر لی۔ اور زندگی کے آخری دس سال اسی مکان میں بسر کیے۔

مولاناؒ کا معمول تھا کہ گھر میں کرتہ اتار دیتے تھے اور کمرے کے فرش پر تہبند پہن کر ننگے بدن لیٹتے تھے۔ اکثر اوقات فرش پر چادر بچھانا بھی پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی مکان کے بڑے کمرے میں جو گلی کی سمت ہے لیٹ جاتے تھے۔ لیکن معمول کے مطابق وہ سیڑھیوں کے ساتھ بائیں طرف ملحقہ چھوٹے کمرے میں لیٹتے تھے۔ جب گھر تشریف لاتے تو نیچے زینے میں بائیں ہاتھ اپنا مصلّٰی اور رومال رکھ کر اوپر تشریف لاتے تھے۔

گھر کا مختصر نقشہ یوں سمجھئے: ایک کمرہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ بڑا کمرہ احباب کی نشست اور باورچی خانہ کا کام دیتا تھا۔ ایک تیسرا کمرہ جس کا طول و عرض بمشکل سات فٹ ضرب پانچ فٹ ہو گا لیٹنے اور آرام کے لیے مخصوص تھا۔ بجلی کا پنکھا کوئی نہ تھا۔ پہننے کو چند کپڑے اور کھانے پینے کے گنے چنے برتن۔ بس یہی کل کائنات تھی۔

کھانا مولاناؒ خود ہی تیار کرتے تھے۔ کھانے میں اُبلے ہوئے چاول بہت پسند تھے۔ چاولوں کے ساتھ اچار کھاتے تھے۔ یا چاولوں پر نمک چھڑک کر کھا لیتے تھے۔ کسی کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے۔ قہوہ مرغوب ترین شے تھی۔ چائے کی پتی پانی میں ڈال کر چولھے پر رکھ کر چھوڑ دیتے تھے۔ کافی دیر چائے ابلتی رہتی تھی، بغیر دودھ کے پیتے۔ البتہ کھانے کے بعد کبھی چائے نہ پیتے۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران حدودِ حرم سے باہر نہ جاتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے شہر کو صرف حج کے دنوں میں چھوڑتے ورنہ مستقل یہیں قیام فرماتے۔

حافظ اسحٰق صدیقی صاحب سے مولانا نے ایک دن از خود فرمایا کہ:-

"خدا کا شکر ہے کہ تین ماہ چھ دن میں دس ہزار رکعت نمازِ نفل مکمل ہو گئی ہے"

مولانا اپنی ڈائری روزانہ لکھتے تھے جس میں روحانی کیفیات درج ہوتی تھیں۔

ایک دن از خود فرمانے لگے کہ:-

"مجھے میدانِ عرفات میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کو اسم اعظم عطا ہوا۔ لا الٰہ الا اللہ۔"


مولانا حبیب اللہؒ کے گھر میں لیٹنے کی جگہ جہاں وہ ننگے فرش پر بغیر کرتے کے لیٹا کرتے تھے۔

فرمایا کہ:-

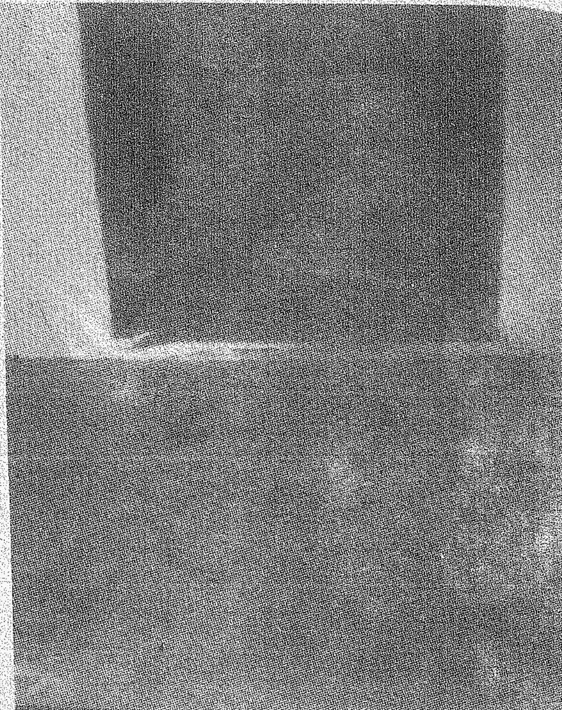
"جب انسان کی روح قبض کی جاتی ہے تو روح کو جسدِ خاکی سے نکال کر جسمِ مثالی عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد صرف روحانی طاقت ہی عمل میں رہتی ہے۔ جس قسم کا انسان ہوتا ہے اسی نسبت سے اس کو مثالی جسم عطا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ وہی حرکات کرتا ہے جو دنیاوی زندگی میں کرتا تھا۔ اولیاء اللہ کو معرفت کا جسم عطا کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فیض جاری رہتا ہے کیونکہ وہ اسی کام میں مشغول رہتے ہیں جو وہ زندگی کے دوران دنیا میں کرتے تھے، اپنے مقرب بندوں سے جب اولیائے کرام ملتے ہیں تو وہ مثالی جسم میں ملتے ہیں، قیامت کے دن روح کا مثالی جسم ختم ہو جائیگا اور اللہ کے حضور پیش ہونے کے لئے پھر روح کو خاکی جسم میں منتقل کر دیا جائے گا۔"

حافظ اسحاق صدیقی صاحب نے بتایا۔ مولاناؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو ان دنوں بھی حسبِ معمول بغیر کرتے کے ننگے فرش پر لیٹے رہتے تھے۔ حافظ صاحب نے علاج معالجہ کی درخواست کی تو فرمایا:-

"میں نے اللہ سے پوچھا تھا۔ حکم ہوا کہ علاج کی ضرورت نہیں۔ اگر عمر کم ہو تو مدارج زیادہ کرنے کے لیے تکلیف یا بیماری دے دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اپنے بندے پر رحم و کرم کی ایک صورت یہ بھی ہے۔"

حافظ اسحاق صاحب نے مکہ مکرمہ کی ایک معروف ہستی مولانا غلام رسول صاحب کا بیان کردہ واقعہ سنایا۔ ایک صاحب مولاناؒ سے ملنے کے لیے کئی بار مکان پر حاضر ہوئے مگر جب بھی جاتے۔ ان صاحب نے مولوی غلام رسول سے پوچھا کہ مولوی حبیب اللہؒ کہاں ہوتے ہیں؟ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کو ان سے کس غرض سے ملنا ہے؟ ان صاحب نے بتایا کہ مولانا سے ایک سوال پوچھنا ہے کہ "قطب، ابدال اور غوث ہونے کا کیا ثبوت ہوتا ہے؟"

ایک روز مولوی غلام رسول حاضر ہوئے اور سائل کا سوال بیان کیا۔ مولانا نے جواب میں فرمایا۔ میں تو یہاں


مولانا حبیب اللہؒ کے مکان میں وہ جگہ جہاں انہیں آخری بار غسل دیا گیا اور کفن پہنایا گیا۔

ہی ہوتا ہوں۔ میں حرم کے سوا کبھی نہیں جاتا البتہ مقام شکر ہے کہ اللہ نے مجھے اس شخص کے فتنے سے بچا لیا۔"

مولانا کا معمول تھا کہ حرم شریف میں اوقات نماز سے گھنٹوں پہلے تشریف لے جاتے تھے۔ صدقہ و خیرات خفیہ طریقے سے دیتے تھے۔ اپنی تعلیمی درسگاہ دیوبند سہارنپور کے لیے کئی ہزار ریال ارسال کرتے تھے۔ بچوں میں مٹھائی تقسیم کرتے تھے۔ ان کی ایک جیب میں میٹھی گولیاں اور دوسری میں قرش اور نئے نئے نوٹ ہوتے تھے۔ جب کسی بچے کا سبق سنتے تو اسے انعام دیتے۔ ایک دن فرمانے لگے :۔

"اپنی تھیلی میں سے جتنے پیسے بھی خرچ کر لوں صبح دیکھتا ہوں پھر بھری کی بھری نظر آتی ہے۔"

مولاناؒ نے سفرِ واپسی کی تیاری ایک ماہ پہلے سے شروع کر رکھی تھی۔ اپنے ذاتی کتب خانہ کی تمام کتابوں کو علیحدہ علیحدہ مضامین کے لحاظ سے بنڈلوں میں بندھوا دیا اور ہر ایک بنڈل پر موضوع کا نام لکھ دیا پھر انہیں وقف کی مہر لگا کر محفوظ کروا دیا۔

۱۱ر جولائی ۱۹۷۲ء کو مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ دل بڑھ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے استسقاء کا عارضہ لاحق ہوگیا پاؤں پر ورم نمودار ہوا اور تلووں میں درد جب شدید ہونے لگتی تو مہندی لگا لیتے۔ ورم گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ حرم جانا موقوف ہو گیا۔ احباب نے علاج کے لیے حکیم سراج الحسن کو بلایا۔ آپ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ:۔

"دوا کی اب ضرورت نہیں ہے"

مولانا بروز جمعرات ۲۰ر جولائی ۱۹۷۲ء بمطابق ۹ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ (مکہ مکرمہ کے وقت کے مطابق پونے پانچ بجے) عصر کے وقت باسٹھ سال کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○

اپنی جان مالکِ حقیقی کے سپرد کرتے ہوئے مولانا کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے :۔

"میرا کام بن گیا۔ اطمینان کا سانس آیا۔"

بعد نمازِ عشاء (مقامی وقت کے مطابق) ۲½ بجے شب جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ حضرت مولانا عبدالحق کی لحد نصیب ہوئی اور حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا پہلو نصیب ہوا۔

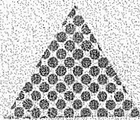
"خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را"

بقیہ: شذرہ

پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کے علمی اور عملی تقاضے کیا ہیں اور ان کے لیے کیا اقدامات ضروری ہیں؟ اب اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر مولانا عبیداللہ انور نے اس کے التوا کا اعلان کر دیا ہے کیونکہ ان کے بقول لاہور کی انتظامیہ نے اس سلسلہ میں تحریری درخواست اور یاددہانی کے باوجود سرکلر روڈ کے کھلے باغات میں کانفرنس کے انعقاد کی اجازت نہیں دی۔ یہ صورتِ حال ہر اعتبار سے افسوسناک ہے۔

پاکستان میں نظام شریعت کے نفاذ کی ضرورت سے کسی محب وطن حلقہ کو اختلاف و انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ملک کے استحکام و بقا کا ایک اہم تقاضا ہے۔ یہ کانفرنس منعقد ہو جاتی تو اس مطلوب مقصود و ضرورت کے لیے ذہنی اور فکری تیاری میں یقیناً مدد ملتی۔ عملاً اس کانفرنس کو وہی حیثیت حاصل ہوتی جو جدید اور مروجہ اصطلاحات میں اہل علم و فضل کے مذاکروں یا سیمیناروں کو ہوتی ہے۔ معلوم نہیں مقامی انتظامیہ نے اپنے طور پر اس کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں درخواست اور یاددہانی کا کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا یا اس میں اوپر کا اشارہ بھی کارفرما تھا؟ وجہ خواہ کچھ بھی ہو نظام شریعت کانفرنس کے بہ امرِ مجبوری التوا کا ردِ عمل اربابِ حکومت کے لیے خوشگوار نہیں ہوگا۔

(نوائے وقت ۱۹ر مارچ)



رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

اُس رہبرِ اعظم سے جو منقول نہ ہو گا
وہ ضابطہ ہرگز کبھی معقول نہ ہو گا!

وہ روس کا دستور ہو یا چین کا آئین
اس پاک وطن میں کبھی مقبول نہ ہو گا

ملتا ہے مدینے سے جو پیغامِ محبّت
وہ اور کسی سمت سے موصول نہ ہو گا

اغیار کے حق میں بھی وہ الطاف و کرم ہیں
ہرگز یہ کسی اور کا معمول نہ ہو گا

پیغمبرِ اسلام کی سیرت کے علاوہ
جو کچھ بھی ہو اسلام پہ محمول نہ ہو گا

جو ختمِ نبوّت کے عقیدے کو نہ مانے
اُس شخص سے بڑھ کر کوئی مجہول نہ ہو گا

جس دل میں محمد کی محبّت رہے بزمیؔ
وہ حرص و ہوس میں کبھی مشغول نہ ہو گا

خالد بزمیؔ

گزشتہ سے پیوستہ

اسلام میں آزادیٔ رائے

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی

اگرچہ ایک قاضی کی حیثیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رو داد کے مطابق فیصلہ کر دینا بجائے خود آپؐ کے لیے کوئی گناہ نہ ہوتا اور ایسی صورتیں قاضیوں کو پیش آتی ہی رہتی ہیں کہ ان کے سامنے غلط روداد پیش کر کے حقیقت کے خلاف فیصلے کر لیے جاتے ہیں لیکن اس وقت جبکہ اسلام اور کفر کے درمیان زبردست کش مکش برپا تھی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم روداد مقدمہ کے مطابق یہودی کے خلاف فیصلہ صادر فرما دیتے تو اسلام مخالفوں کو آپؐ کے خلاف اور پوری اسلامی دنیا اور خود دعوت اسلام کے خلاف ایک زبردست اخلاقی حربہ مل جاتا، وہ یہ کہتے پھرتے کہ اجی! یہاں حق و انصاف کا کیا سوال ہے۔ یہاں تو وہی جتھہ بندی ہے اور عصبیت کام کر رہی ہے جس کے خلاف تبلیغ کی جاتی ہے۔

ان آیات (سورہ نساء آیت ۱۰۵ سے ۱۱۷ تک) میں ایک طرف ان مسلمانوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جنھوں نے محض خاندان اور قبیلہ کی عصبیت میں مجرموں کی حمایت کی۔ دوسری طرف عام مسلمانوں یہ سبق دیا گیا کہ انصاف کے معاملہ میں کسی تعصب کا دخل نہ ہونا چاہیے (جلد ا صفحہ ۳۹۴)

حاصل یہ کہ سیاسی معاملات میں مساوات اور برابری کا اسلام میں اتنا اونچا مقام ہے کہ اگر کسی موقعہ پہ خود ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بشری تقاضے کے تحت ظاہری حالات سے متاثر ہو کر انصاف کے خلاف معمولی سا میلان ظاہر فرماتے ہیں تو وحی آسمانی آپ کو نہایت صاف صاف انداز میں فہمائش کرتی ہے اور اس ادنیٰ رجحان پہ بھی خدا سے بخشش کرنے کا حکم دیتی ہے۔

اس موقع پہ اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری ۶۳ سالہ زندگی میں عدل و انصاف کے خلاف یہ معمولی سا میلان بھی صرف ایک واقعہ میں رونما ہوا، ورنہ آپؐ کی تمام انفرادی سماجی اور سیاسی زندگی سراسر عدل و انصاف کے مطابق گزری کیونکہ قدرت نے آپؐ کی سرشت اور فطرت میں عدل و انصاف کا یہ جذبہ ودیعت فرمایا تھا۔ احادیث میں آتا ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں آپ نے اپنی رضاعی ماں دائی حلیمہ کا دودھ ہمیشہ ایک طرف سے پیا۔ دائی حلیمہ خود فرماتی ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک چھاتی کا دودھ پیتے تھے اور ایک طرف کا دودھ اپنے رضاعی بھائی کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔

اسی طرح ایک دفعہ آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ اور ایک قریشی کے درمیان زمین کا جھگڑا ہوا، آپؐ نے اس جھگڑے میں انصاف کے مطابق فیصلہ کیا اور وہ حضرت زبیرؓ کے حق میں تھا۔ دوسرے فریق نے جوش میں آ کر یہ بات کہہ دی۔ "یا محمد! اعدل" اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) انصاف فرمایئے۔ آپؐ یہ بات سن کر ناراض ہو گئے اور اس قریشی سے کہا۔ ارے نادان! اگر میں خدا کی زمین پہ عدل نہ کروں گا تو پھر کون کرے گا؟

رہا یہ سوال کہ بشیر منافق کے واقعہ میں آپ کی طرف سے یہ رجحان کیوں ظاہر ہوا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصلحت الٰہی یہ چاہتی تھی کہ ایک ایسا موقعہ نبیؐ کی زندگی میں پیدا ہو، اور قانون الٰہی اپنے نبیؐ کو فہمائش کرے اور ہمیشہ کے لیے اس بات کی مثال قائم ہو جائے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں قانون الٰہی کے نزدیک کسی کے ساتھ کسی قسم کی

رو رعایت کی گنجائش نہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شرک نبی کی فطرت کے خلاف ہے۔ منصب رسالت پر فائز ہونے اور وحی الٰہی سے آشنا ہونے سے پہلے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کے عام رواج کے باوجود معمولی قسم کے شرک سے بھی دور رہے اور آپؐ کی فطرت سلیمہ نے قوم عرب کے اندر پھیلے ہوئے شرک سے ہمیشہ نفرت کی لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے اپنے نبیؐ کو اس طرح خطاب فرمایا۔

لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخٰسرین۔

اے نبی! اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد کر دیے جائیں گے۔ اور تم خسران والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

یہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیوں کیا گیا؟

صرف دوسرے لوگوں کو سنانے کے لیے کیا تاکہ مخاطب کی اہمیت سے اس خطاب میں اہمیت پیدا ہو جائے۔

یہ چند باتیں عدل اسلامی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے نقل کی گئیں۔ اب آگے خلفائے راشدین کی زندگی کے چند مثالی واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے عبدالملک ابن ابی سلیمان نے عطاء کے واسطے سے نقل کیا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اپنے ماتحت افسران کو لکھا کہ حج کے موقع پر ان سے ملیں۔ چنانچہ حج کے موقع پر یہ سب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے مملکت اسلامی کے گورنروں اور افسروں کے درمیان کھڑے ہو کر یہ تقریر فرمائی:۔

"لوگو! میں نے ان افسروں کو اس لیے مقرر کیا ہے کہ یہ لوگ انصاف کے ساتھ تمہاری نگرانی کریں۔ میں نے اس اس لیے انہیں مقرر نہیں کیا ہے کہ یہ تمہاری جان و مال اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالیں۔ اگر تمہیں ان افسران میں سے کسی کے خلاف ظلم و بے انصافی کی کوئی شکایت ہو تو وہ کھڑا ہو جائے۔"

راوی بیان کرتا ہے کہ اس دن تمام حاضرین میں سے صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے امیرالمومنین سے عرض کیا۔ امیرالمومنین! آپ کے فلاں عامل نے مجھے ناحق سو کوڑے مارے۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا کیا تم بدلے میں سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ کھڑے ہو جاؤ، اور اپنا بدلہ لے لو۔ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ اٹھے اور عرض کیا۔ اگر آپ اپنے عمال و افسران کے ساتھ یہ سلوک کریں گے تو ان پر سخت گراں گزرے گا اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا اور بعد والے بھی اسی راستے پر چلیں گے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ پھر کیا میں اس آدمی کو بدلہ نہ دلواؤں، جبکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات اقدس سے بدلہ دلواتے دیکھا ہے۔ پھر اس فریادی کو آواز دے کر کہا، آؤ! اس سے بدلہ لے لو۔

حضرت عمروؓ بن العاص بولے، اچھا ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم قانون اسلامی کے مطابق اس شخص کو مالی تاوان پر راضی کر لیں۔ آپ نے مہلت دے دی۔ عمروؓ بن عاص نے اس فریادی کو راضی کر لیا اور دو سو دینار پر معاملہ ختم ہو گیا۔ یعنی ہر کوڑے کے بدلے دو دینار ادا کرنے پڑے۔

حضرت عمرؓ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین اور مسلم معاشرہ میں عدل و مساوات کی حقیقی اسپرٹ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادلانہ کردار نے پیدا کی اگر آپ خود اپنی ذات کے اندر عدل و مساوات کی حقیقی روح پیدا نہ کرتے تو آپ کے رفقاء اور پورے ابتدائی مسلم معاشرہ میں یہ روح مساوات پیدا نہ ہوتی۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح مسلم سماج کے چھوٹے حلقوں میں اظہار رائے اور اعلان حق کی جرأت پیدا ہوئی۔ اسی طرح معاشرہ کے بڑے حلقوں، افسران اور عمال حکومت میں اپنی کمزوریوں اور اپنی خطاؤں کو تسلیم کرنے اور اپنے آپ کو قانون کے حوالہ کرنے کی ہمت اور شجاعت کا جذبہ کارفرما ہوا۔

اسی موقعہ پر دوسرا حادثہ یہ ہے کہ جن عمروؓ بن عاص نے ایک فریادی کو دے لے کر راضی کیا اور بدلہ اور قصاص کی بلا ٹالی۔ انہی کے لڑکے عبداللہ کے متعلق

ایک مصری نوجوان نے بھی دعوے دائر کر دیا کہ مصری گورنر کے اس لڑکے نے بلا قصور مجھے مارا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس دعوی پر فیصلہ کر دیا کہ عبداللہ سے قصاص لیا جائے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ جس وقت وہ نوجوان عمروؓ بن عاص کے لڑکے سے بدلہ لے رہا تھا تو اس وقت حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ جملہ بار بار نکل رہا تھا۔

"اس خاندانی شریف زادے کو مار۔ اس خاندانی شریف زادے سے بدلہ لے"۔

اسی مصری نوجوان کے ہاتھوں خود عمروؓ بن عاص بھی پٹنے والے تھے مگر اس نے درگزر کیا اور معاف کر دیا۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر، تصور کرو، عمروؓ بن عاص عرب کے نہایت با اثر آدمی ہیں۔ گورنری کے علاوہ بھی عرب میں ان کا مرتبہ بلند تھا، اسلام میں بھی ان کے درجہ کی بلندی مسلّم تھی۔ مصر کے فاتح اور بہترین جرنیل اور گورنر تھے۔ مگر عدل و انصاف کے آگے ایک معمولی انسان کی طرح کھڑے تھے۔ قانون کی زد سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ اور فریب اختیار نہیں کرتے، جھوٹ نہیں بولتے صرف امیرالمومنین سے ایک انتظامی مصلحت کی بات کہتے ہیں۔ اگر یہ طریقہ چل پڑا تو حکام کا انتظامی وقار ختم ہو جائے گا۔ کوئی بااصلاحیت آدمی انتظامی عہدہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ مگر جب اس کا جواب یہ ملتا ہے؛

"میں خدا کے حکم کی تعمیل کا ذمہ دار ہوں میں اس کا مکلف نہیں ہوں کہ کل اسلامی حکومت کا کیا بنے گا، یہ خود خدا جانے، مجھے آخرت میں اپنے اعمال کا جواب دینا ہے"

اس جواب سے ابن عاص کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

آج انتظامی مصلحتوں اور فوج اور پولیس کے وقار کو بچانے کے لیے عدل و آزادی کے بنیادی تقاضوں اور عوام کے انسانی حقوق کو پامال کر دیا جاتا ہے۔ مگر اس مسلم سماج کے ہر طبقے نے قانونِ اسلامی کا وقار قائم رکھا۔ اور اپنے ذاتی وقار کی پروا نہ کی۔ (شکریہ "دارالعلوم" دیوبند)

بقیہ: خطبہ جمعہ

سے ایک بھی ضرورت ایسی نہیں جس کے متعلق قرآن میں واضح رہنمائی نہ ہو اور اسی اسلام و نظام حیات کے ساتھ دنیا اور بالخصوص مسلمان قوم کی نجات و ہدایت وابستہ ہے۔

جن کی بارگاہ میں فرشتہ کی گردنیں جھک جاتی تھیں آج وہ ہزار دنیوی ترقی کے باوصف تنزل، انحطاط اور بدحالی کا شکار ہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ وہ دین فطرت جس کو خدا نے دین قیم بھی کہا اور جس پر ہر بچہ تک کی ولادت کا ارشاد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اس سے عملاً ہم گریز کر رہے ہیں اور اس پوزیشن کا شکار ہیں کہ محض اسلام کا نام باقی رکھ کر باقی سب کام وہ کرنا چاہتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

یاد رکھیں حضور علیہ السلام نے صلح و جنگ، امن و خوف، جہاد و معاہدہ، تجارت و زراعت اور سیاست و معیشت سے ایک انفرادی مسائل تک ہیں۔ مبیّن قرآن کی حیثیت سے اپنی سیرت و کردار کی روشنی میں بے لاگ اور واضح راہ عمل متعین فرمادی لیکن محض دعوی اسلام اور محض احترام پیغمبر سے ہم لوگ پار ہونا چاہتے ہیں جب کہ احترام کے معاملہ میں تو غیر مسلموں کی گردنیں بھی جھکی ہوئی ہیں لیکن وہ ہیں کافر و بے ایمان۔ کیونکہ ان میں اطاعت نہیں نہ فرمانبرداری ہے اور دین ہے اطاعت و فرمانبرداری کا۔

قرآن عزیز نے کہیں فاتبعونی فرمایا کہیں اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول فرمایا تو کہیں ما آتاکم الرسول فخذوہ کے ذریعہ عمل و جہد پر ابھارا۔

اور یاد رکھیں جہاں محبوب کی اداؤں پر مٹ جانے کا جذبہ نہ ہوگا اور عمل سے اس کی شہادت مہیا نہ کی جائے گی وہاں احترام و محبت کا دعوائے محض دھوکہ ہو گا اصل محبت و احترام آقا و محبوب کے اطاعت کی فرماں برداری ہے اسی کا ہم سے قرآن تقاضا کرتا ہے اور اسی کا سیرت مصطفیٰ۔

اور ہماری تاریخ کا تابناک دور بھی وہی ہے جب احترام و محبت کے ساتھ ساتھ عمل بھی تھا اطاعت بھی تھی جب اطاعت ختم ہوئی تو تاریخ کا رخ تبدیل ہو گیا اب اسے پھر بدلنے کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کی ہی ضرورت ہے۔ خدا حسن عمل کی توفیق دے۔

آمین یا الہ العالمین!

انور سوہدری

اسلامی تعزیرات

حدود کے بعد تعزیرات کا درجہ ہے۔ جیسے سزائے قید، تازیانہ، جلاوطنی اور سماجی بائیکاٹ وغیرہ، مگر یہ ہلکی سزائیں ایسے جرائم پر دی جاتی ہیں جن پر شریعت نے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اس قسم کے جرائم کی سزائیں قاضی اور حاکم کی صوابدید پر ہیں کہ وہ اپنی رائے اور دانائی سے جس قدر اور جس قسم کی سزا دینا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ لوگوں کے درجات اور طبقات مختلف ہوتے ہیں، ذلیل، متوسط، شریف، قاضی موقعہ اور مصلحت کو دیکھ کر سزا کا حکم دے۔ اس بارہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں قاضی اور حاکم کو وسیع اختیارات دیئے گئے ہیں۔

یہ ہیں شریعت اسلامیہ کے حدود و تعزیرات جو ملک کے نظام امن کے قیام کے کفیل اور ذمہ دار ہیں۔ دنیا سے جرائم کا انسداد اور بے حیائی اور بدکاری کا خاتمہ صرف اور صرف انہی شرعی حدود سے ہو سکتا ہے۔

تہذیب و تمدن کی دعوے دار قوموں نے ان جرائم کے انسداد کے لیے جو قوانین بنائے ہیں ان سے دن بدن جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے اور بدکاری، بے حیائی روز بروز ترقی پذیر ہے اور معاشرۂ انسانی دم توڑ رہا ہے۔

شرعی قانون اور موجودہ قوانین

اب ذرا موجودہ زمانہ کے قانون سے شرعی قانون کا موازنہ کیجئے۔ سب سے اوّل آپ تھانہ میں جا کر رپٹ لکھوائیں گے۔ پھر گواہ اور وکیل تلاش کریں گے۔ پھر بیسیوں پیشیاں بھگتیں گے اور پھر اگر جرم ثابت ہو بھی گیا تو جج نے اگر قید کی سزا بھی دے دی تو اس سے مقتول کے ورثاء کو کیا فائدہ پہنچا؟ کیونکہ نہ ان کا دل ٹھنڈا ہوا اور نہ مقتول کے لاوارث بیوی بچوں کے لیے کوئی فائدے کی صورت نکلی۔ بلکہ حکومت نے اس قیدی سے جیل میں صنعت کا کام کرانا شروع کیا کہ کہیں تو کمبل بنوائے اور کہیں قالین اور دریاں تیار کرائیں۔ غرض ہزاروں اور لاکھوں روپے کی آمدنی جیل کی صنعتوں سے حکومت کو ہوتی ہے جس میں سے ایک پیسہ بھی مقتول کے ورثا کو نہیں دیا جاتا گویا جیل خانے حکومت کی آمدن کا ایک ذریعہ ہیں۔

اس کے برخلاف اسلام نے قصاص کے ساتھ ورثاءِ مقتول کو یہ بھی اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل سے مال پر صلح کر لیں۔ اس طرح انہیں کچھ مال مل جائے جس سے کم از کم ان یتیموں اور بیوہ کے نان شبینہ کی صورت تو پیدا ہو جائے۔ اور اگر قصاص میں قتل بھی کیا جائے تو ان کے دل کو تسکین ہو جائے اور عوام کو عبرت۔ غرض اسلام کے پیش نظر یہ بات ہے کہ سزا ایسی دی جائے کہ سب کے لیے عبرت ہو اور مظلومین کی اشک شوئی بھی ہو جائے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں کسی دعویٰ اور استغاثہ کے لیے کسی قسم کی کوئی فیس نہیں۔ تمام مقدمہ کسی خرچ کے بغیر جلد فیصلہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور موجودہ قوانین میں قدم قدم پر فیسیں داخل کیجئے اور ایک مقدمہ کے لیے ہزاروں روپے خرچ کیجئے۔ گویا حکومتیں انصاف کرنے کے لیے بھی فیسیں طلب کرتی ہیں، اور شریعت خدا کے لیے انصاف کرتی ہے۔ شریعت کے پیش نظر مخلوق کی راحت رسانی اور سہولت اور قیام امن ہے۔ اور موجودہ حکومتوں کے پیش نظر تجارت ہے۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ اسلام کا قانون دوٹوک اور واضح ہے، جس میں کسی قسم کے اینچ پینچ کی گنجائش نکل ہی نہیں سکتی اور موجودہ قوانین لچک دار ہیں کہ جیسی ضرورت اور مصلحت ہو اس کو توڑ مروڑ کر بنا لو، جس کا شب و روز مشاہدہ ہے۔ شریعت نے ظالم کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور دو رخی پالیسی اختیار نہیں کی۔ موجودہ حکومتوں کے قوانین میں سرمایہ دار اور دولت مند مجرم کے لیے پوری وسعت اور گنجائش ہے اس پر کبھی جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔

یہ تینوں ایسے بنیادی فرق ہیں کہ ہر جگہ اور ہر جرم کی سزا اور مقدمہ میں یہ فرق نظر آتے ہیں۔

جزوی طور پر چوری کے متعلق موجودہ قانون میں یہ ہے کہ سب سے اوّل تھانہ میں جا کر رپٹ لکھوائیے۔ جہاں تھانے دار سونگھے

کرے گا۔ پھر رپٹ لکھوا دینا ہی کافی نہیں بلکہ وکیل، گواہ ہر ہر قدم پر خرچ ہی خرچ، اس کے بعد بھی حکومت نہ اس کی ذمہ دار ہے کہ آپ کا مال برآمد کر کے آپ کو دے گی اور نہ یہ کہ کتنے عرصہ میں آپ کا فیصلہ کرے گی۔ خواہ ایک سال لگے یا دو سال یا دس بارہ سال پیشیاں بھگتتے رہیئے اور خرچ کرتے رہیئے۔ اگر دس ہزار کی چوری ہو گئی ہے تو ہزاروں روپیہ خرچ ہوا تب مقدمہ کا فیصلہ ہوا۔ اگر جرم بھی ثابت ہوا تو چور کو سزا ہو جائے گی جو شرعی سزا کے مقابلہ میں خفیف سی ہوتی ہے۔ سارا گھر چوری ہوا اور دس سال تک مقدمہ لڑا اور کچھ پلے نہ پڑا۔ بلکہ جو مال چوری سے رہ گیا وہ اس مقدمہ کے دوران ختم ہو گیا۔ بخلاف اسلامی قانون کے کہ وہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان بھی دلایا جائے گا، اور آج کل کچھ اگر برآمد بھی ہوتا ہے تو اس قدر اخراجات اور پریشانی کے بعد مالک کو نہ ہونے کے برابر پڑتا ہے۔

اسی طرح قطع اطراف کو لے لیجیئے اگر کسی نے کسی کی ناک کاٹ دی تو وہ یہ سمجھے گا کہ کیا ہوگا چھ ماہ جیل رہ کر آجاؤں گا۔ مگر اس مظلوم کو تو ساری عمر کے لیے نکٹا کر دیا۔ بخلاف قانون اسلام کے کہ جو کسی کی ناک کاٹے گا اس کو بھی نکٹا بننا پڑے گا اور کوئی ایسی حرکت کی جرأت نہیں کر سکے گا۔

علاوہ ازیں زنا کے متعلق یہ بات ہے کہ موجودہ قانون میں یہ کوئی جرم ہی شمار نہیں ہوتا بلکہ اگر زنا بالجبر ہو تو جرم ہے ورنہ کچھ نہیں اس پر عمل ہے کہ زنا کے سارے دروازے کھلے ہیں۔ اجنبی عورتوں سے ملنے کی بھی اجازت ہے۔ ان کو دیکھنے اور گھورنے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ فواحش کی بہتات اور عریاں تصاویر کی نمائش ریڈیو، ٹیلیویژن اور سینما جیسے لغو ادارے ملک میں جو نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کر رہے ہیں۔ ہاں زنا بالجبر ہو تو مقدمہ چل سکتا ہے جس کا نتیجہ وہی ہے کہ ہزاروں روپیہ خرچ ہو کر جرم ثابت ہوا اور جرمانہ ثابت ہوا اور جرمانہ یا قید کی کچھ سزا ہی ہوئی جس سے کچھ حاصل نہیں۔ بخلاف اس کے اسلام نے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی کہ ہر شخص اس جرم کے تصور سے بھی لرزے گا۔ غرض موجودہ خرابیوں کی اصلاح صرف اسلامی قانون ہی کر سکتا ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ صرف چار ہاتھ کٹ گئے تو سارا ملک چوری کی لعنت سے پاک ہو جائے گا، چار کی قید اس لیے لگائی گئی کہ ملک میں چار ہی صوبے ہیں۔ غرض اسلام کے پیش نظر جرائم کا انسداد اور دنیا میں امن و امان کی زندگی گزارنے کا نظام قائم کرنا مقصود ہے اور دنیوی حکومتوں کا نظریہ صرف عدل و انصاف کا نام ہے خواہ عملاً ہو یا نہ ہو اور کتنا ہی خرچہ ہو جائے۔

آج شریعت اسلامیہ کا مذاق اڑایا جاتا ہے حالانکہ مذاق کے قابل خود موجودہ قانون ہے جو سراسر لغویات سے پُر اور مجموعہ خرافات ہے۔ سزائیں جاری کرنے کے متعلق حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ۔

"یعنی اللہ کا حکم جاری کرنے میں تم کو ان پر کوئی رحم نہ آئے"۔

کیونکہ خدا تعالیٰ تم سے زیادہ رحیم ہیں۔ جب مجرم پر وہ رحم نہیں کھاتے تو تمہیں کیا حق حاصل ہے رحم کا۔ کیونکہ مجرم پر رحم کرنا ساری مخلوق پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

"یعنی مجرموں کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو حاضر کیا جائے"۔ (تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو ۔۔۔)

اس نظریہ کا فرق ہے کہ آج نہ زنا بند ہے، نہ چوری، نہ ڈاکہ کا استیصال ہو سکا نہ دوسرے جرائم کا۔ لیکن شریعت کے احکام نافذ کرنے میں یہ اثر اور برکت ہے کہ جرائم ختم ہو جاتے اور مخلوق کو امن ہو جاتا ہے۔

سیاست خارجہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ غزوات اور معاہدات نے خارجی سیاست کے اصول بتلائے کہ غیر قوموں سے کن حالات میں اور کیسے جنگ کی جائے اور ان سے کیسے صلح اور معاہدہ کیا جائے اور ممالک مفتوحہ پر کس طرح محاصل، جزیہ ٹیکس اور خراج وغیرہ لگائے جائیں، اقلیتوں کے کیا حقوق ہیں اور معاہد اور محارب قوموں کے احکام کیا ہیں؟

فقہائے کرام نے ان تمام ملکی انتظامات اور داخلی اور خارجی سیاسیات کے احکام کو کتاب و سنت اور خلافت راشدہ کی روشنی میں مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

فقہ اسلامی

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے تک شریعت کا علم منتشر اور بکھرا ہوا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے قانون شریعت کو ایک مسلک میں منسلک کیا اور ابواب و فصول

پر مرتب کیا اور عبادات، معاملات، معاشرات اور داخلی اور خارجی سیاست کے احکام جدا جدا ابواب و فصول میں بیان کیے۔ عباسی خلافت میں ممالک اسلامیہ کے قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج تصنیف کی۔ حکومت نے اسی کی بنیاد پر محاصل لگائے۔ عباسی خلافت کے آخری دم تک عدالتوں کا قانون فقہ حنفی رہا۔ مغربی اقوام اس وقت تک وحشیوں کے زمرے میں شمار ہوتی تھیں۔ ان کے پاس کوئی قانون نہ تھا مسلمانوں کے عروج سے ان کی آنکھیں کھلیں۔ انہوں نے مسلمانوں سے علم و حکمت اور صنعت و حرفت سیکھا۔ پھر جب پانچویں صدی میں برِاعظم ہندوستان مفتوح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوا تو اس وقت سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک برابر فقہ حنفی ہی قانون حکومت رہا، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اس کا شاہد ہے۔ شومئی نصیب سے جب دسویں صدی میں حکومت اور ارکانِ دولت کی طرف سے قانون شریعت کے اتباع میں کمی آنی شروع ہوئی۔ اسی وقت سے حکومت میں اختلال و اضمحلال شروع ہو گیا۔

اب یہ کہنا کہ شریعت اسلامیہ نے حکومت کے دستور و آئین کا کوئی ڈھانچہ نہیں پیش کیا یہ فقہ اسلامی اور تاریخ اسلامی سے بے خبری کی دلیل ہے۔

فقہائے کرام نے جس طرح قانونِ شریعت کو مدون کیا دنیا کا کوئی قانون اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ ہر قانون کے ساتھ کتاب و سنت اور خلافت راشدہ کے تعامل سے اس کا ماخذ بتلایا اور پھر عقلی دلائل سے اس کو مزین اور اسرار و حکم سے اسے مبرہن کیا۔ کیا علمائے یہود و نصاریٰ بھی فقہ موسوی اور فقہ عیسوی پر کوئی کتاب دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں ہے تو لائیں ــــ مغربی اقوام کے پاس جو قانون موجود ہے اس میں کسی جگہ تورات و انجیل سے ماخذ کی نشانی نہیں دی گئی اور نہ عقلی دلائل اور اسرار و حکم سے اسے مبرہن و مزین کیا گیا ہے۔ وہ قانون تو ملک کے مفکرین اور مدبرین کے تین سو سالہ تفکر و تدبر کا نتیجہ ہے اور ان کی آراء کا مجموعہ ہے۔ کسی صحیفہ آسمانی کی روشنی میں مرتب نہیں کیا گیا اور قانونِ شریعت نبی امی فداہ نفسی و ابی و امی کے ۲۳ سالہ ارشادات کا مجموعہ ہے جو اول تا آخر وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کا مصداق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام نے اپنے مذہب میں حکمرانی اور عدلِ عمرانی کے لیے ہدایت اور رہبری نہ ہونے کی وجہ سے مذہب اور سیاست کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

قانون شریعت کا دوام و استحکام

نبی امی کی شریعت دائمی اور ابدی ہے۔ قیامت تک آنے والے تقاضوں کو پورا کرنے کی کفیل اور ذمہ دار ہے اور اس کے قانون میں تنسیخ و ترمیم کی ضرورت نہیں۔ بہت صدیاں گذر گئیں اور اس بیسویں صدی کے بعد بھی صدیاں آئیں گی، مگر چوری اور زناکاری کی سزا وہی ہاتھ کاٹنا اور تازیانے اور سنگساری باقی رہے گی اور کیوں نہ رہے جب چوری اور زنا کی حقیقت میں کوئی فرق نہیں آیا تو سزا میں کیوں فرق آئے۔ ہاں اس بیسویں صدی میں یہ فرق آیا کہ چوری اور بدکاری اس دورِ تمدن میں آ کر مہذب اور متمدن بن گئی اور ڈھٹائی اور بے حیائی منظر عام پر آ گئی ہے، اور اب نئی تہذیب کے دلدادہ شرعی سزاؤں کو خلاف تہذیب تصور کرنے لگے ہیں۔ مگر یہ نادانوں کا گروہ چوری پر کیا حکم لگائے گا؟ مہذب یا غیر مہذب؟ کسی نے علامہ شبیر احمد عثمانی سے پوچھا حضرت یہ سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو! یہ خلاف تہذیب ہے! مولانا مرحوم نے مزاحاً فرمایا کہ جی ہاں! چور کا ہاتھ کاٹنا تو خلاف تہذیب ہے مگر چوری کرنا تو عین تہذیب ہے!

غرض جب یہ فعل ظالمانہ اور وحشیانہ ہے تو سزا بھی ایسی ہی ہے۔ اَلْجَزَاءُ مِنْ جِنْسِ الْعَمَلِ۔

شریعت میں خواہشاتِ نفسانی کی گنجائش نہیں

قانون شریعت میں تمام وقتی تقاضے پورے کرنے کی گنجائش موجود ہے بشرطیکہ وہ صحیح تقاضے ہوں۔ نفسانی اور شہوانی تقاضے نہ ہوں۔ شریعت مطہرہ میں ناپاک تقاضوں (جیسے رقص و سرود کی محفلوں) کی کوئی گنجائش نہیں، شریعت مطہرہ و معطرہ بمنزلہ عطر اور گلاب کے، اور آج کے نفسانی اور شہوانی تقاضے بمنزلہ پیشاب کے ہیں اور ظاہر ہے کہ گلاب کی صراحی میں پیشاب کے ایک قطرہ کی بھی گنجائش نہیں۔

شرعی قانون کی نرمی اور موجودہ قانون کی سختی

اسلام میں شخصی املاک پر کوئی پابندی اور حد بندی نہیں اور رعایا کی زمینوں اور مکانوں اور آمدنیوں پر وہ محصول اور ٹیکس نہیں، جو آج کل متمدن حکومتوں میں ہیں اور نہ تجارتوں پر وہ پابندیاں جو آج کل متمدن حکومتوں نے عائد کی ہیں۔ پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ اسلام

میں فریاد رسی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں کہ جس امیر خلیفہ کا جس وقت جی چاہے قاضی (جج) اور حاکم حتیٰ کہ وزیر اور امیر مملکت سے عدالت میں یا مسجد میں یا اس کے گھر جا کر اپنی شکایت اور درخواست پیش کر سکے۔

عدل اسلامی

قانون شریعت میں اگر عدل و انصاف اوج کمال پر ہے تو رعایا کے ساتھ شفقت اور مرحمت بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ کا یہی مطلب ہے کہ عدل کے ساتھ شفقت و ترحم بھی ملحوظ رہے۔ اس بے مثال عدل و انصاف اور بے نظیر شفقت و مرحمت کے بعد بھی جو لوگ مغربی قانون کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔ ان کی مثال یہ ہے۔

یک سبد نان ترا بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب نان در بدر

(یعنی روٹیوں کا ٹوکرا سر پر موجود ہے پھر بھی در بدر روٹی تلاش کرتا پھرتا ہے۔) یہ بے عقلی نہیں تو کیا ہے؟

رسالت عظمیٰ

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم افضل الانبیاء والرسل ہیں آپ کی نبوت نبوت کبریٰ اور رسالت رسالت عظمیٰ ہے۔ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں کی جامع اور حکمتوں کا عطر اور لب لباب، علم و حکمت، اور حکومت و ریاست کو حاوی و شامل ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صفت و شان، نبوت و رسالت ہے اور حکومت و سلطنت اس کی خادم اور غلام ہے۔ اس سے اغراض نبوت اور مقاصد رسالت کی تکمیل مقصود تھی۔ بذاتہ حکومت مقصود نہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حکومت تو بطور خرق عادت تھی۔ ظاہری اسباب کو اس میں دخل نہ تھا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھی۔ اور نبوت و رسالت کی دلیل و برہان تھی۔ خلفاء راشدین کی حکومت ان کی کرامت تھی اور ولایت کاملہ کی دلیل، کہ بلا کسی مادی اسباب کے دنیا کی بڑی بڑی حکومتوں کو تہ و بالا کرنا بلاشبہ کرامت ہے۔

خلافت راشدہ

نبوت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ختم ہو گئی مگر ولایت اور بادشاہت آپ کے بعد بھی چلی۔ خلفاء راشدین اس کے وارث ہوئے۔ ولایت کاملہ اور حکومت عادلہ کے مجموعے کا نام خلافت راشدہ ہے۔ خلفائے راشدین کی حکومت ولایت اور شریعت کے زیر فرمان تھی۔ خلفائے راشدین کے بعد علماء و صلحاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقط شان ولایت کے مظہر ہوئے۔ اور اورنگ زیب اور علاؤالدین اور صلاح الدین ایوبی جیسے مسلمان عادل بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان سلطنت کے مظہر ہوئے اور شریعت کے ماتحت علمائے کرام کے فتووں کے مطابق دنیا میں حکومت کی اور کافروں سے جہاد کیا اور ایسے بے مثال عدل و انصاف سے حکومت کی۔ اگر سلاطین اسلام کے عدل و انصاف کی زکوٰۃ نکالی جائے اور آج کی متمدن قوموں پر تقسیم کر دی جائے تو سب عدل و انصاف کے دولت مند بن جائیں۔

یہ تو محض ایک مختصر سا خاکہ اسلامی قانون کا ہے ورنہ تجارت و زراعت وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو سراسر رحمت ہی رحمت نظر آتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم کو اور ہماری حکومت کو کافروں کے دستور اور قانون سے پاک فرمائے۔ پاکستان کے معنی یہ ہیں کہ کفر سے پاک ہو۔ اے اللہ ہمارے ظاہر و باطن کو پاک فرما۔ اور ہم کو اور ہمارے حکام کو اتباع شریعت کی توفیق عطا فرما۔

بنات الاسلام — خواتین کا صفحہ

حضرت خدیجہؓ کا ایمان

تحریر: بیگم فخر النساء انور، لاہور

پندرہ برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہؓ کو آرام سے زندگی بسر کرتے ہوئے گزر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظاہر ہونے اور اسلام کے نور پھیلنے کا زمانہ آ پہنچا۔ چھ مہینے ہو گئے تھے کہ آپؐ کو نہایت صاف اور سچی خوابیں نظر آتی تھیں۔ جو کچھ خواب میں دیکھتے بالکل وہی ظاہر ہو جاتا اور آنکھوں سے دیکھ لیتے۔ آپ کی عادت تھی کہ مکہ کے ایک پہاڑ کی کھوہ میں جس کا نام حرا تھا عبادت کیا کرتے تھے۔ خدیجہؓ کچھ کھانا ساتھ کر دیتیں۔ اور آپؐ کئی کئی روز تک عبادت میں مصروف رہتے۔ اسی عادت کے موافق ایک مرتبہ کئی روز سے عبادت میں لگے ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ کے فرشتہ جبرئیل نے آدمی کی شکل میں آکر آپ کو نبوت کا پیام پہنچایا۔ تین بار آپ کو سینہ سے لگا کر زور سے دبایا اور سورۃ اقراء کی شروع کی آیتیں پڑھائیں۔ چونکہ یہ سب سے پہلا واقعہ تھا اس لیے آپ گھبرا گئے کہ دیکھئے یہ بار گراں مجھ سے اٹھے گا یا ایسے ہی میری جان جائے گی۔ کانپتے ہوئے گھر پہنچے اور خدیجہؓ سے کہا مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ جب ذرا دل قابو میں ہوا تو خدیجہؓ سے تمام حال بیان کیا۔ خدیجہؓ جو ایک بہت ہی تجربہ کار اور عاقلہ عورت تھیں فوراً آپؐ کی نبوت کا یقین ہو گیا اور ایمان لے آئیں۔ آپؐ کو تسلی دی اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے کر گئیں۔ ورقہ نے تمام حال سن کر نہایت خوشی سے کہا۔ بیٹا! ڈرنے کی کوئی بات نہیں "نبوت مبارک ہو"۔ بے شک یہ وہی فرشتہ تم کو نظر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ نبوت کے عطا ہونے کا یقین تو آپ کو غار میں ہی ہو گیا تھا لیکن شروع شروع میں کسی بڑے مشکل کام کو کرنے سے جیسے دل ڈرتا ہے اسی قسم کا اندیشہ آپ کو بھی تھا۔ لیکن خدیجہؓ اور ورقہ کی تسلی سے وہ بھی جاتا رہا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ایسے وقت میں آپؐ کو تسلی اور تقویت کرنے ہمت بندھانے سے خود حضرت خدیجہؓ کی بلند ہمتی اور دانائی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہی ایک بڑی فضیلت ہے جو ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اب وہ زمانہ شروع ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اور عرب کے لوگ جن بتوں کو صدہا برس سے پوجتے چلے آتے تھے اُن کو چھوڑا کر کفر سے نکالنا چاہتے تھے۔ اس بناء پر تمام لوگ دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی تکلیفیں اذیتیں پہنچاتے تھے۔ ساری قوم اور سارے شہر کا مخالف ہو جانا کچھ تھوڑی مصیبت نہیں۔ اس پر غضب یہ کہ اپنے عزیز رشتہ دار مخالف تھے۔ اگر کوئی ظاہری مددگار تھا تو خدیجہؓ تھیں یا ان کے چچا ابوطالب تھے۔ وہ چونکہ قریش کے سردار اور بزرگ سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے لوگ ان کا نہایت ادب کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے رک جاتے تھے۔ نسبی شرافت اور عزت کے لحاظ سے جب کسی شخص کو دنیاوی عروج اور ثروت حاصل ہوتی ہے اور کچھ لوگ اس کے سہارے پر گذارہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ تو عام لوگوں پر بھی اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ خدیجہؓ بھی آپؐ کو تکلیف سے بچانے اور آپ کی

مطبوعاتِ جدیدہ



بغرض تبصرہ کتاب کے دو نسخے روانہ کرنا ضروری ہیں۔ (ادارہ)

سوانح مولانا محمدؒ رسول خاں

مؤلف: قاری فیوض الرحمٰن ایم اے صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد۔

ضخامت ۱۷۶ صفحات ۔ قیمت پانچ روپے

ناشر: پاکستان بک سنٹر، اردو بازار، لاہور

حضرت مولانا محمد رسول خاں مرحوم ایک انتہائی عالم و فاضل شخصیت تھے جو کم و بیش سوا سو برس کی عمر پاکر ۱۹۷۱ء میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اسّی برس تک میرٹھ، دیوبند اور نیٹیل کالج لاہور اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں استاذ کی حیثیت میں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ حضرت مولانا محمد میاں، قاری محمد طیب صاحب، مولانا شمس الحق افغانی، مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا خیر محمد، حافظ محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، قاضی محمد زاہد الحسینی، اور متعدد دیگر علمائے کرام مرحوم کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

پروفیسر حافظ قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے مرحوم کے سوانح حیات ان کے تلامذہ اور دیگر احباب کے مضامین جمع کر کے مرتب فرمائے ہیں۔ اور نہایت حسین صورت سے شائع کرائے ہیں۔ طلبائے مدارس دینیہ کے لیے خصوصاً اور دیگر علم دوست حضرات کے لیے عموماً اس کتاب کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

اسلام کا نظامِ حیات

مؤلف: پروفیسر حافظ قاری فیوض الرحمٰن ایم اے

ضخامت ۴۰۰ صفحات ۔ قیمت پانچ روپے پچھتر پیسے۔

ناشر: پاکستان بک سنٹر، اردو بازار، لاہور

یہ کتاب بظاہر انٹرمیڈیٹ کے طالب علموں کی خاطر انٹرمیڈیٹ بورڈ پشاور کے نصاب اسلامیات کے عین مطابق لکھی گئی ہے۔ تاکہ اسلامیات کے طلباء و طالبات اس کتاب کے مطالعہ سے اسلامیات کے پرچے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ پروفیسر صاحب نے اس کتاب کی تالیف و ترتیب میں بے حد جانفشانی اور محنت کی ہے۔ جس سے اس کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔ اور اب یہ کتاب صرف طالب علموں ہی کے لیے نہیں، بلکہ ہر پڑھے لکھے انسان کے لیے نہایت معلومات افزا حیثیت کی حامل ہو گئی ہے۔ خصوصاً اس دور میں جب لوگ زندگی بسر کرنے کے نئے نئے ڈھنگ، اسلوب اور طور طریقوں کے تجربات میں مصروف ہیں اور نئے نئے "ازم" تراشے جا رہے ہیں۔ یہ کتاب دلائل و براہین سے ثابت کر رہی ہے کہ دنیا میں انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے کا منشائے فطرت کے مطابق ایک ہی سلیقہ اور ایک ہی نظام ہے۔ جو دینِ اسلام کی صورت میں مخلوقِ خدا تک خالق کائنات نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچا دیا ہے اور صرف اسی نظام حیات کو اپنا کر دنیا راحت، سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

راقم الحروف ہر پڑھے لکھے مسلمان سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنی پہلی فرصت میں یہ کتاب خریدے، خود پڑھے اور گھر کے سب افراد کو پڑھائے۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی۔

پتہ مکمل اور خوشخط ہونا چاہیئے۔

بچوں کا صفحہ

فضول خرچی اور بے فکری مستقبل کو تباہ کر دیتی ہے

چوہدری افضل حق کا پیغام ۔ نونہالانِ وطن کے نام

معروف بی بی! السلام علیکم

بیٹی! تمہارے متعلق بلقیس کا شکایتی خط آیا۔ دیکھو بی بی! زبان کا چسکہ نہ صحت چھوڑتا ہے نہ عزت نہ دولت۔ زبان انسان کو پیٹ کا بندہ بنا دیتی ہے کسی مرچ، مصالحہ دار چیز کو دیکھا بس رال ٹپک پڑی۔ چیز کسی کی ہو مگر اٹھا کر منہ میں ڈال لینے کو جی چاہتا ہے۔ چٹ پٹی چیزوں کا دلدادہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے تنگ دست ہو تو مانگ کر یا ادھار لے کر زبان کا مزہ لے گا۔ کئی سال ہوئے جب میں انبالہ جیل میں قید تھا تو جو کمزور قیدی تھے ان کو دودھ کا دلیا بنا کر دیتے تھے۔ میں نے اچھے بھلے آدمیوں کی عقل ماری ہوئی دیکھی کہ ناحق دلیا کھانے کے لیے تقسیم کرنے والوں کی خوشامد اور منت کر کے ان سے لیتے اور جیل میں چٹخارے بھرتے پھرتے کہ واہ خوب دلیا تھا۔

زبان کی لذت کی ماری اچھے گھرانوں کی بعض عورتوں دیکھا ہے کہ گلی سے کوئی آلو چنے مزے دار کی ہانک لگا کر خوانچہ بردار گزرنے لگا تو یہ بیبیاں جیب ٹٹولتی بھاگیں کہ بھیا دو پیسے کے دے جاؤ، پھر کسی نے ملائی برف کی آواز دی تو یہ لپکیں۔ ملائی برف اڑاتی اور پھر امرود والا پہنچا اس نے جو مرچ مسالہ ڈال کر ڈونا اچھالا تو چسکے کی ماری عورتیں بے تاب ہو گئیں۔

یہ کون لوگ ہوتے ہیں، وہی جنہوں نے بچپن سے اپنی طبیعت پر قابو نہ پایا ہو۔ جن بچوں کے دانتوں کی چکی ہر وقت چلتی رہے ان کا معدہ ضرور خراب ہو جائے گا جن کا معدہ خراب ہوا پھر بیماریاں سہیلیاں بن جاتی ہیں کوئی گھڑی پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ علاوہ ازیں گاڑھے پسینے کی کمائی فضول چسکوں میں اڑ جاتی ہے جس کو یہ عادت پڑ جائے وہ ساتھیوں میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ ہر وقت کھانے والا کم عقل ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کی ساری قوتیں تو کھانا ہضم کرنے میں لگی رہتی ہیں۔ سوچ بچار، عقل فہم کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔

تم تو اچھی بچی ہو تمہاری کوئی شکایت نہ آنی چاہیے البتہ ضیاء الحق شریر بڑا ہے۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی کام بگاڑتا ہے، کوے کی طرح گھات میں لگا رہتا ہے کہ آنکھ بچے اور یہ کوئی شرارت کر پائے۔ دیکھو — ! ضیاء الحق! شرارتیں نہ کیا کرو ورنہ ۲ کانوں میں سر ہو جائے گا، کان کھینچ کھینچ کر ہاتھی کے کانوں کی طرح بڑے بڑے کر دیے جائیں گے۔ تمہیں دیکھ کر پھر سب کہیں گے ہاتھی آیا۔ دیکھو، بھیا! کان بڑے تو ہو سکتے ہیں چھوٹے ہم سے نہ ہو سکیں گے، تم لاکھ منتیں کرنا کہ میرے کان چھوٹے کر دو مگر یہ بڑے ہی رہیں گے۔

دیکھو بیٹا! جو بچے بچپن میں خوب پڑھتے، علم و ہنر حاصل کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر عزت اور آرام پاتے ہیں، جو بچپن میں بے پروائی کریں وہ عمر بھر اپنے نصیبے کو روتے ہیں۔ کبھی ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں، کبھی ماتھا کوٹتے ہیں۔ بچپن کی بے فکری کا زمانہ لوٹ کر نہیں آتا جو اس زمانے میں لکھا پڑھا جاتا ہے وہ عمر بھر نہیں بھولتا، جوان بوڑھے ہو کر کوئی بہت اچھی قسمت والا ہی علم حاصل کرتا ہے ورنہ بوڑھا طوطا سر کھپانے پر بھی میاں مٹھو ہی رہتا ہے۔

مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ آپ لوگوں کا خط بھی پندرہ روز کے بعد ہی آتا ہے۔ کم از کم ہفتہ میں ایک دفعہ خط آئے تو بہتر ہے۔

سب بچوں کو پیار۔

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۴۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۴۳۲۱ مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۴-۲۳۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۲۰۷۴۶-D.D.4 مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.M/۳۰-۱۵۲۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء